بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

قومی دفاعی پالیسی : اصول اور اہداف

خورشید احمد

دفاعی پالیسی کا اولیں مقصد قومی سلامتی ہے جو ملک و ملت کے آزاد وجود اور ان کی بنیادی اقدار' اداروں اور حقیقی مفادات کے ملکی اور معیاری تحفظ سے عبارت ہے۔ یہ کیفیت صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ایک قوم اپنے اندر اتنی قوت اور صلاحیت رکھتی ہو کہ سلامتی کو پیش آنے والے اندرونی اور بیرونی خطرات کا بھرپور اور مردانہ وار مقابلہ کر سکے' بلکہ اس کی قوت اور تیاری اس سطح کی ہو کہ دشمن پر ایک خوف کی کیفیت طاری ہو جائے اور وہ جارحیت کی ہمت نہ کر سکے۔ اس صلاحیت کا نام جدید عسکری فکر میں سدِّ جارحیت(deterrence) ہے یعنی مقابلے کی ایسی قوت جو دشمن کے جنگی عزائم کے لیے لگام کا کام کرے اور اسے یہ یقین ہو جائے کہ اگر اس نے کسی جارحیت کا ارتکاب کیا تو ایسی جوابی چوٹ پڑے گی جو اس کے لیے قابل برداشت نہ ہو گی۔ جنگ دراصل ان حالات میں ہی رونما ہوتی ہے' جب ایک فریق کو یہ اندازہ ہو کہ وہ دوسرے پر بہ آسانی غالب آ سکتا ہے: ع

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

مقابلے کی قوت ہی میں جنگ سے محفوظ رہنے کی ضمانت ہے۔ قومی سلامتی کے موضوع پر لکھنے والے اس کلیہ کے بارے میں متفق ہیں کہ تاریخ کے ہر دور میں' اور خاص کر آج کے دور میں امن و آشتی کا حصول اور آزادی اور سلامتی کا تحفظ' مقابلے کی قوت ہی کا رہین منت ہے۔ جو قوم اپنی آزادی' اپنے قومی آدرش اور اپنی اقدار کی حفاظت کی قوت' عزم اور غیرت نہ رکھتی ہو وہ بالآخر دوسروں کی محکوم اور ان کی باجگزار بن جاتی ہے' گو بظاہر اس کا اپنا جھنڈا ہو اور اس کے کارفرما کروفر کا مظاہرہ بھی کر رہے ہوں۔ مشہور سیاسی مفکر والٹر لپ مین نے قومی سلامتی کے بارے میں انسانی فکر کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

A nation has security when it does not have to sacrifice its legitimate interest to avoid war, and is able, if challenged, to maintain them by war". (Encyclopaedia of Social Sciences 1968).

ایک قوم کی قومی سلامتی اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب وہ اس پوزیشن میں ہو کہ جنگ سے بچنے کے لیے اپنے جائز مفادات کو قربان کرنے پر مجبور نہ ہو، اور اگر ان مفادات کو کوئی خطرہ ہو تو وہ اتنی طاقت رکھتی ہو کہ جنگ کے ذریعے ان کا دفاع کر سکے۔

عالمی سیاست اور تاریخ صلح و جنگ کی روشنی میں یہ ہے قومی سلامتی اور اس کے تحفظ کا زریں اصول۔ آیئے دیکھیں کہ اللہ جَلّ جَلالُہ نے قرآن پاک میں مسلمانوں کو اپنی قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے کیا تعلیم دی ہے۔ فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ - اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (الانفال ۸ : ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوف زدہ کر دو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج (standing army) ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو۔ یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی جلدی رضاکار اور اسلحہ اور سامان رسد جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس اثنا میں کہ یہ تیاری مکمل ہو، دشمن اپنا کام کر جائے"۔ (تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۱۵۵)

مولانا امین احسن اصلاحی ایک دوسرے پہلو کو نمایاں کرتے ہیں:

"رباط الخیل سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو خاص جنگ کے لیے تربیت دیے جائیں اور اسی غرض کے لیے محفوظ اور تیار رکھے جائیں۔ جنگ میں ہر قسم کے گھوڑے کام نہیں آتے۔ اس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں ہی کی اصل اہمیت بھی تھی اور عرب کی مخصوص آب و ہوا کے لحاظ سے ان کے ہاں گھوڑوں کی تربیت کا خاص اہتمام بھی تھا۔ اسی چیز کی ہدایت یہاں مسلمانوں کو کی گئی ہے کہ جہاد کے لیے قابل جہاد لوگوں کو بھی منظم کرو اور تربیت دیے ہوئے گھوڑے بھی تیار رکھو...... اس آیت میں

مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اپنی فوجی قوت، نفری کے اعتبار سے بھی اور اسلحہ و اسباب جنگ کے اعتبار سے بھی، زیادہ سے زیادہ بڑھائیں۔ اس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں کو وہی اہمیت حاصل تھی جو اس زمانے میں ٹینک اور ہوائی جہاز کو حاصل ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ گھوڑے بہت کم تھے۔ آگے کے مراحل میں ان کی تعداد زیادہ کرنے کی تاکید ہوئی۔ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ یہ اس تیاری کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ کے اور تمھارے دشمنوں پر تمھاری دھاک اور ہیبت قائم رہے کہ تمھیں نرم چارہ سمجھ کر وہ تم پر حملہ کرنے کی جرات نہ کریں...... وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ... الآیہ یہ جنگی تیاریوں کے سلسلے میں انفاق کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اس مقصد کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمھارا کوئی دھیلا پیسہ بھی ضائع جانے والا نہیں ہے"۔ (تدبر قرآن، جلد سوم، ص ۹۳-۹۴)

مفتی محمد شفیعؒ بڑے واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

"یعنی سامان جنگ کی تیاری کرو کفار کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے...... اس کے بعد اس سامان کی کچھ تفصیل اس طرح فرمائی: من قوۃ یعنی مقابلے کی قوت جمع کرو۔ اس میں تمام جنگی سامان، اسلحہ، سواری وغیرہ داخل ہیں، اور اپنے بدن کی ورزش، فنون جنگ کا سیکھنا بھی۔ قرآن کریم نے اس جگہ اس زمانے کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قوت کا عام لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ قوت ہر زمانے اور ہر مقام کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اس زمانے کے اسلحہ تیر، تلوار، نیزے تھے۔ اس کے بعد بندوق توپ کا زمانہ آیا۔ پھر اب بموں اور راکٹوں کا وقت آ گیا۔ لفظ قوت اس سب کو شامل ہے اس لیے آج کے مسلمانوں کو بقدر استطاعت ایٹمی قوت، ٹینک اور لڑاکا طیارے، آب دوز کشتیاں جمع کرنا چاہیے کیونکہ یہ سب اس قوت کے مفہوم میں داخل ہیں، اور اس کے لیے جس علم و فن کو سیکھنے کی ضرورت پڑے وہ سب اگر اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کا اور کفار کا مقابلہ کرنے کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے...... جنگی سامان جمع کرنے اور جنگ کرنے میں ضرورت مال کی بھی پڑتی ہے بلکہ سامان جنگ بھی مال ہی کے ذریعے تیار کیا جا سکتا ہے اس لیے آخر آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس کا اجر عظیم اس طرح بیان فرمایا کہ اس راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمھیں دے دیا جائے گا"۔ (معارف القرآن، جلد چہارم، ص ۲۷۲-۲۷۴)

ان آیات مبارکہ پر تدبر کرنے سے چار اصول اور اہداف ہمارے سامنے آتے ہیں:

اول: اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہیں۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی غفلت کا کوئی جواز نہیں، بلکہ یہ غفلت بڑی مہنگی پڑ سکتی ہے۔

دوم: جنگی تیاری جن چیزوں سے عبارت ہے' ان میں فوج کی عددی قوت' مقابلے کا سامان جنگ اور حربی مہارت' سرعت سے نقل و حرکت کی صلاحیت اور ہر نوع کے سامان رسد کی فراہمی ہے۔ ان چیزوں کا اہتمام اپنے وقت کی ٹیکنالوجی اور مدمقابل کی جنگی صلاحیت کی مناسبت سے کیا جانا چاہیے۔

سوم: یہ تمام تیاری کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اتنی ہونی چاہیے کہ ایک طرف تمھاری استطاعت سے مناسبت رکھتی ہو تو دوسری طرف اتنی موثر ہو جو مخالف کو خائف کرنے اور اسے جارحیت سے باز رکھنے والی ہو۔ اس چیز کو جنگی اصطلاح میں مقابلے کی قوت یا سد جارحیت کہا جاتا ہے۔

چہارم: اس پورے عمل کے لیے مالی اور مادی قربانی ناگزیر ہے۔ جس طرح مسلمان کی جان پر اللہ کا حق ہے اسی طرح اس کے مال پر اللہ کا حق ہے--- اور جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے جو بھی حقیقی مادی اور مالی ضرورت ہے' اسے پورا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ انھیں نہ مقابلے کی قوت کے حصول میں کوتاہی کرنی چاہیے اور نہ اس سلسلے میں مالی قربانی سے دریغ کرنا چاہیے۔ ان کے مال کا بہترین مصرف ذاتی تعیش اور زیبائش نہیں' اللہ کے دین اور مسلمانوں کے وطن کا دفاع اور معاشرے کے غریب اور محروم طبقات کی مدد ہے تاکہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات سے شاد کام ہو سکیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورہ الصف ۶۱: ۱۰-۱۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے' یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو---

اور فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج ۷۰: ۲۴-۲۵)'

ان کے مال میں ایک جانا بوجھا حق ہے' مانگنے والے اور محروم کے لیے۔

پاکستان کی دفاعی پالیسی کے اصول اور اہداف کا تعین انھی قرآنی احکام اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ہونا چاہیے۔

بلاشبہ ہماری داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کا اصل مقصد ایمان' آزادی اور قومی سلامتی کا تحفظ' اور عزت و وقار اور امن و آشتی کے قیام کے لیے حالات کو سازگار بنانا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ایک طرف عالمی حالات اور فوری خطرات کا صحیح ادراک (threat perception) ہو اور دوسری طرف قوم کو اخلاقی' مادی اور عسکری طور پر مقابلے کی قوت سے آراستہ کیا جائے۔

اشتراکیت کے زوال کے بعد مغربی اقوام نے نہایت عجلت اور عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، عالم اسلام کو بالعموم اور اسلامی احیا کی قوتوں کو بالخصوص ایک خطرے کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا ہے اور دانش وروں سے لے کر سیاست دانوں، فوجی ماہروں اور میڈیا کے ناخداؤں تک ہر کوئی اس "مقدس جنگ" میں مصروف ہے۔ گویا نئی صلیبی جنگوں کے لیے فضا بنائی جا رہی ہے۔ اس تناظر میں امریکہ اور مغربی اقوام کا اسرائیل اور بھارت سے، جو اپنے اپنے جارحانہ عزائم رکھتے ہیں، عرب دنیا، ایران اور پاکستان کے خلاف گٹھ جوڑ وجود میں آ رہا ہے۔ اسرائیل کا تو قیام ہی عالم اسلام کے قلب میں خنجر گھونپنے کے مترادف تھا۔ پھر اسے جدید ترین آلات جنگ اور ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح کیا گیا اور دھونس اور قوت کے ذریعے پورے علاقے پر اس کی بالادستی قائم کی گئی ہے۔

بھارت کو بھی جو پہلے دن سے علاقے کی سوپر پاور بننے کے خواب ہی نہیں دیکھ رہا بلکہ اس کی عملاً تیاری بھی کر رہا ہے، امریکہ، مغربی اقوام اور اسرائیل کی مکمل تائید حاصل ہے۔ صدر کارٹر نے ۱۹۷۸ میں بھارتی پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے اس امریکی پالیسی کا صاف لفظوں میں اعلان کیا تھا، حالانکہ اس وقت بھارت روس کا ہم سفر تھا اور ابھی امریکہ واحد سوپر پاور نہ بنا تھا:

> "امریکہ عالمی سوپر پاورز میں سے ایک ہے۔ بھارت غیر وابستہ ممالک میں سب سے بڑا ملک ہے۔ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کے عالمی کردار کے تصورات کا احترام کرتا ہے"۔ (بحوالہ Shelton Kodikare کی کتاب Factors in Interstate Relations in South Asia, Canberra, 1979, p -45.)

امریکہ کی علاقے کے بارے میں پالیسی کا تجزیہ ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ امریکہ نے پاکستان سے اپنی نام نہاد دوستی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا لیکن علاقے کی بڑی طاقت کے طور پر بھارت کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی اور پاکستان پر دباؤ ڈالا اور ڈال رہا ہے کہ بھارت کی اس بالادستی کے آگے سپر ڈال دے۔

اس دباؤ کو بڑھانے کے لیے بھارت اور اسرائیل میں اسٹرے ٹیجک تعاون گذشتہ چالیس سال سے برابر بڑھ رہا ہے۔ اور یہ تعاون حساس جاسوسی معلومات (sensitive intelligence information) سے لے کر اسلحے کی تجارت، مشترک فوجی مشقوں اور کمانڈو کارروائیوں تک پہنچ چکا ہے۔ اسرائیل کے وزیر دفاع اور اعلیٰ فوجی افسران بھارت کے علاقائی منصوبوں کے بنانے میں برابر شریک رہے ہیں۔ کشمیر، پنجاب اور دوسرے علاقوں میں بھارت کی فوجوں کی مدد اسرائیلی مشیر کر رہے ہیں اور پاکستان کے خلاف شر انگیز منصوبوں میں اسرائیل کی شرکت برابر بڑھ رہی ہے۔ اس سلسلے میں سیمون ہرش (Seymon Hersh) نے اپنی عالمی شہرت یافتہ کتاب The Samson Option میں، جس میں اسرائیل کی نیوکلیر تیاری کی کہانی تفصیل

سے بیان کی گئی ہے، اس امر کا اظہار بھی کیا ہے کہ پاکستان میں کہوٹہ کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنا بھی اسرائیلی منصوبوں میں شامل ہے۔

اس پس منظر میں پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دفاعی صلاحیت اتنی ہو جو نہ صرف بھارت اور اسرائیل سے پیش آنے والے خطرات کا موثر مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہو بلکہ جس کی وجہ سے انھیں کسی جارحیت کے ارتکاب کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔ خطرات کے اس تناظر میں اصل چیز فوج کی تعداد یا روایتی اسلحے کی مقدار نہیں بلکہ مقابلے کی وہ قوت ہے جس سے دشمن کے دانت کھٹے کیے جا سکیں۔

خلیج کی جنگ نے روایتی جنگی سازوسامان کی محدودیت (limitations) کو بالکل طشت ازبام کر دیا ہے۔ گہری نظر رکھنے والے فوجی مبصر تو پہلے بھی یہ بات کہتے تھے لیکن ۱۹۹۱ کے خلیجی معرکے کے بعد تو اب اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ اگر آج پاکستان کے دفاع کے لیے کوئی چیز سب سے زیادہ موثر ہو سکتی ہے تو وہ نیوکلیر مسدد جارحیت (deterrent)، درمیانی مار کے میزائل اور موثر فضائی قوت ہے۔ ایک حد تک روایتی جنگی صلاحیت کی بھی ضرورت ہے لیکن اب اتنی بڑی روایتی جنگی مشینری ضروری نہیں جتنی چند عشرے پہلے تھی۔ روایتی جنگی مشینری میں ایسی تخفیف ممکن ہے جو جنگی صلاحیت کو کم کیے بغیر پورے نظام کو زیادہ بہتر اور موثر کر دے، البتہ مقابلے کی قوت ضروری ہے جس کے معنی مساوی نہیں صرف اس تناسب سے صلاحیت کی موجودگی ہے جو دشمن کے پہل کرنے کی صورت میں بھی اس کو ناقابل برداشت نقصان پہنچا سکتی ہے۔ یہی صلاحیت بھارت کے جنگی عزائم کو نکیل ڈال سکتی ہے۔ اگر یہ صلاحیت ۱۹۷۱ میں پاکستان کو حاصل ہوتی تو بھارت کبھی مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، جس کا اعتراف تمام جنگی ماہرین آج کر رہے ہیں۔ خود بھارت کے بری فوج کے سابق کمانڈر جنرل کرشنا سوامی سندر جی (Sundurji Krishnaswami) نے ۱۹۴۸، ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ کی جنگوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان کے پاس نیوکلیر صلاحیت ہوتی تو یہ جنگیں ہرگز واقع نہ ہوتیں۔

These wars would have not occured.

(بحوالہ سندر جی کا مضمون: The Relevance of Nuclear Weapons جو کتاب Changing Military Equations in Asia میں شائع ہوا ہے)۔

اسی حقیقت کا اعتراف جنرل اسلم بیگ نے کیا ہے کہ "یہ صرف نیوکلیر مُسدِّدِ جارحیت ہے جس کی وجہ سے جنوب ایشیا جنگ سے محفوظ رہا ہے" اور اگر یہ صلاحیت پہلے ہوتی تو "پاکستان کے منقسم ہونے کا حادثہ نہ ہوتا"۔

جنرل سندر جی نے India Today (اپریل ۳۰، ۱۹۹۳) میں کہا ہے کہ "اگر بھارت اور پاکستان میں

نیوکلیر مسدد جارحیت موجود ہے تو مجھے یقین ہے کہ پھر دونوں ملکوں میں ان کی اپنی اپنی روایتی افواج میں کمی ممکن ہو سکے گی"۔

حالات کے اس تجزیے سے چند نتائج سامنے آتے ہیں جو پاکستان کی دفاعی پالیسی کے لیے رہنما اصول اور ناگزیر اہداف کی حیثیت رکھتے ہیں:

۱۔ ہماری دفاعی پالیسی کی بنیاد دین اور وطن کا تحفظ ہونا چاہیے۔ جذبہ جہاد ہی وہ سب سے موثر قوت ہے جو نسبتاً چھوٹے ممالک کو بھی بڑے اور طاقتور ممالک کے مقابلے میں تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔ یہ اصول قرآن و سنت سے ثابت ہے اور پوری اسلامی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے۔ بلکہ پاکستان نیوی کے سابق سربراہ ایڈمرل شریف نے تو انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے ایک سیمینار میں یہ شہادت بھی پیش کی تھی کہ جب وہ بحری فوج کے سربراہ کے ساتھ ایک وفد میں چین کے وزیراعظم چواین لائی سے ۱۹۶۸ میں ملے تھے تو اس گفتگو کے دوران چواین لائی نے کہا تھا کہ پاکستان کے دفاع کا راز جہاد کو زندہ رکھنے میں ہے (Foreign Policy Debate p 152)

۲۔ پاکستان کے لیے نیوکلیر صلاحیت کو اس سطح پر قائم رکھنا ضروری ہے جو علاقے میں جنگ کے لیے موثر مسدد جارحیت ہو۔ اس کے لیے بھارت یا اسرائیل سے مساوات ضروری نہیں۔ صرف اتنی صلاحیت ضروری ہے جو دشمن کو حملے سے روکنے کے لیے کافی ہے۔ اسے ہر قیمت پر برقرار رکھنا ہماری آزادی اور دینی تشخص کے تحفظ کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی طرح موثر ترسیلی نظام (delivery system) کی موجودگی اس کا ایک حصہ ہے۔ قریبی اور درمیانی مار کے میزائل اور اچھی فضائیہ اس نظام کا ضروری حصہ ہیں۔ نیز ایک مختصر مگر موثر بحریہ کی ضرورت ہے جو نیوکلیر صلاحیت سے لیس ہو اور ہمارے سمندروں کی حفاظت کر سکے۔

۳۔ اس فریم ورک میں فوج کی تنظیم نو ضروری ہے تاکہ روایتی جنگی مشینری کو حقیقی ضرورت کی سطح پر زیادہ سے زیادہ اچھی کارکردگی اور اعلیٰ تربیت کے ساتھ برقرار رکھا جا سکے۔

۴۔ دفاعی صنعت اور دفاعی تحقیق کا موثر نظام ہونا چاہیے جو ملک میں اور مسلمان دنیا میں خود کفالت (self-reliance) پیدا کر سکے۔

۵۔ آبادی کے تمام صحت مند افراد کو مناسب فوجی تربیت دی جائے تاکہ یہ رضاکار فورس دفاع کی ایک موثر دوسری لائن بن سکے۔ اس وقت ترکی اور مغرب کے بیشتر ممالک میں ہر نوجوان کے لیے بنیادی فوجی تربیت لازمی ہے۔ سوئٹزرلینڈ اور اسرائیل نے تو دفاعی نظام ہی اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک طرف مختصر لیکن نہایت اعلیٰ تربیت یافتہ اور جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج ہے تو اس کی پشت پر فوج سے ۴ سے ۶

گنا بڑی قومی رضاکاروں کی تعداد ہے جو ایک ہفتے کے بلاوے پر عام جنگی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوزیشن میں آسکتی ہے اور اس طرح فوج زیادہ ترقی یافتہ اور ماہرانہ (sophisticated) کردار کے لیے مخصوص رہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں اس نوعیت کا نظام قائم نہ کیا جاسکے۔ افغانستان اور کشمیر کے جہاد نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا عام نوجوان بھی ضروری تربیت کے بعد بڑے بڑے فوجی سورماؤں کے چھکے چھڑانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۶۔ ملکی معیشت کا استحکام اور خصوصیت سے غذائی پیداوار میں خود کفالت بھی قومی دفاع ہی کا ایک پہلو ہے۔ کیا ستم ہے کہ بھارت کی فوجیں صرف کشمیر ہی میں ہمارے بھائیوں اور بہنوں کا خون نہیں بہا رہی ہیں بلکہ خود ہماری سرحدوں پر روز حملے ہو رہے ہیں اور خون ناحق بہایا جا رہا ہے اور اس باغیرت قوم کے نام نہاد لیڈر بھارت سے تجارت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں اور گندم اور اشیاے خوردنی تک کی درآمد کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

۷۔ ملک میں امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنانا اور ملت کے ہر مرد و زن کو شہری دفاع کے لیے تیار کرنا چاہیے۔

۸۔ قوم کی اخلاقی تربیت اور اس کی دینی اقدار، تہذیبی روایات اور تمدن و ثقافت کے تحفظ کے لیے اقدامات کرنا چاہییں۔ نیز صحت مند متبادل ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ کے ذریعے ہندو کلچر اور مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار سے بچانے کی تدابیر بھی ضروری ہیں۔

یہ ہیں وہ رہنما اصول اور بنیادی اہداف، جن کا حصول ہمارا قومی دفاعی پالیسی کا اصل مقصد ہونا چاہیے۔ انھی کے ذریعے ہم اپنے دین اور اپنے وطن کی حفاظت کا فرض ادا کر سکیں گے اور امت مسلمہ کی عزت و آبرو پر کبھی کوئی حرف نہ آنے دیں گے۔ ان شاء اللہ!

البتہ ایک سوال باقی رہتا ہے جس کا جواب ضروری ہے: اس پر عمل کرنے کے لیے وسائل کہاں سے حاصل کیے جائیں؟ ہمیں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ پاکستان اور امت مسلمہ کے پاس وافر وسائل موجود ہیں۔ اصل مسئلہ ان وسائل کے صحیح استعمال اور ان پر تصرف کا اختیار رکھنے والوں کی اصلاح یا تبدیلی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل امور قابل غور ہیں:

اول: مضبوط عزم اور درست وژن۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے قوت کی تیاری کے ساتھ انفاق اور اس کی بار آوری کا ذکر کیا ہے۔ قیادت اور قوم دونوں کو اس بارے میں یکسو ہونا چاہیے کہ سلامتی اور قومی دفاع کے لیے وسائل کی فراہمی ہماری اولیں ضرورت ہے۔

دوم : ملک کی معاشی حکمت عملی اور ترقی کے منہج اور ترجیحات کی یکسر تبدیلی۔ مضبوط' صحت مند' اسراف و تبذیر سے پاک اور منصفانہ معیشت کے بغیر کوئی قوم اپنی سیاسی آزادی اور تہذیبی تشخص کو باقی نہیں رکھ سکتی ہے۔ قرضوں کی معیشت' تعیش کی معیشت' کرپشن کی معیشت' محض چند ہزار خاندانوں کو امیر بنانے والی معیشت' زراعت اور عام آدمی کی ضرورتوں کو نظرانداز کرنے والی معیشت کبھی بھی انسانوں کو حقیقی خوش حالی سے شاد کام نہیں کر سکتی اور نہ ہی ان کو سیاسی اور عسکری اعتبار سے مضبوط کرنے کے لیے مناسب بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔ قناعت' کفایت شعاری اور قومی اور دینی ترجیحات کے مطابق زندگی کا نقشہ مرتب کیے بغیر ہم مستقبل کے چیلنجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سوم : قوم میں اتفاق و اتحاد اور یک رنگی پیدا کرنا۔ سیاسی قیادت' عسکری قیادت' اہل علم و دانش اور ہمارے سائنس دان اور ایجاد کار سب کو چاہیے کہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور شوریٰ اور افہام و تفہیم کے ذریعے قومی سلامتی اور دفاعی استحکام کے لیے تفصیلی سوچ بچار اور فوری اور لمبے عرصے کی منصوبہ بندی کرنا ہو گی۔ اس سے وہ مستقل بنیادیں مضبوط ہوں گی جن پر معیشت اور دفاع دونوں کا انحصار ہے۔

چہارم : نیوکلیر دفاع اور روایتی دفاع کی حکمت عملیوں کا انضمام۔ دونوں کے درمیان ایسا توازن ہونا چاہیے جس سے ایک مربوط پالیسی وجود میں آسکے۔ اب تک یہ دونوں بڑی حد تک دو متوازی خطوط کی طرح کار فرما ہیں۔ ان کو مربوط کرنا اور اس مربوط پالیسی کی روشنی میں قیادت کی اعلیٰ سطح سے زیریں سطح تک عسکری نظام کی تشکیل نو ضروری ہے۔

پنجم : قومی وسائل کو امانت سمجھ کر استعمال کرنا اور ترقی دینا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ زندگی کے سب ہی شعبوں میں قومی دولت کو اس طرح ضائع کیا گیا ہے کہ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کمی وسائل کی نہیں ہے بلکہ دیانت' امانت' حکمت اور جذبہ خدمت میں اور اللہ کے اور عوام کے سامنے جواب دہی کی فکر اور عملی انتظام میں ہے۔ ان کی فکر کیجیے اور پھر دیکھیے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ موجودہ وسائل میں برکت دیتا ہے اور نئے نئے وسائل سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ اگر ہم ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے راستے پر آگے بڑھیں گے تو زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور آسمان سے نعمتوں کی بارش ہو گی۔ مالک کا یہ کرم ماضی میں بھی بار بار ہو چکا ہے اور آج بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اس کے کرم کے صحیح معنی میں طالب تو بنیں!